SHEHRI

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہریوں کا ایک چھوٹا سا گروہ جو شعور رکھتا ہو، وہ یقیناً دنیا کو بدل سکتا ہے۔ مارگریٹ میڈ

شہری

برائے بہتر ماحول

اکتوبر تا دسمبر 1996

اندر کے صفحات میں

سندھ کے بادکش
بلوچستان ہائیکورٹ کا تاریخی فیصلہ
پنیانگ۔ عالمی انجمنوں کا گڑھ
کپاس کی تباہی کے اسباب

شہریوں کی آواز پر بھی توجہ دیں

شدید عوامی دباؤ کی وجہ سے غیر قانونی عمارتوں کی تعمیر روکنا اور ان کی توڑ پھوڑ کا سلسلہ جاری ہے

شہری برائے بہتر ماحول نے اس ضمن میں چند غلط فہمیوں کے ازالے کی کوشش کی ہے

تقریباً" تین سال قبل شہری نے ایک مہم شروع کی تھی جس کا مقصد کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی اور کے ڈی اے کے کاموں کے بارے میں کھلے پن، محاسبے اور قانون کی حکمرانی کے اصولوں کی کارفرمائی کے بارے میں شعور عام بیدار کرنا تھا۔ اس قسم کی مہم کی ضرورت اس لئے محسوس کی گئی کہ تعمیراتی قوانین کی خلاف ورزیوں کے معاملات کی تعداد خطرناک شرح سے بڑھنے لگی تھی جن میں استعمال اراضی میں غیر قانونی تبدیلی بھی شامل ہے۔ خالصتاً" رہائشی علاقوں میں رہائشی پلاٹوں پر کثیر المنزلہ تجارتی منصوبوں کی منظوری دی جارہی ہے ایسے واقعات خاص طور پر کراچی کی پرانی اور ترقی یافتہ ہاؤسنگ سوسائٹیوں مثلاً گارڈن ایسٹ، جمشید روڈ، گارڈن ویسٹ، پی ای سی ایچ ایس، بہادر آباد، لیاری، کھارادر وغیرہ کے علاقوں میں وقوع پذیر ہو رہے ہیں اور اضافی منزلوں کی تعمیر سب سے زیادہ تشویشناک بات ہے۔

مثال کے طور پر گارڈن ایسٹ، گارڈن ویسٹ اور جمشید کوارٹرز کو لیجئے، جہاں قانون کے مطابق صرف گراؤنڈ پلس ون تعمیر کی اجازت ہے، لیکن وہاں بلڈرز چھت اور نو منزلہ عمارتیں تعمیر کر رہے ہیں جن میں لازمی طور پر کھلی چھوڑی جانے والی جگہوں کو بھی ڈھانپ لیا گیا ہے۔ ان سرگرمیوں کے نتیجے میں یہ علاقے جو کبھی منظم بستیاں ہوا کرتی تھیں اب بدصورت آبادیوں میں تبدیل ہو رہی ہیں۔ شہری سہولتوں مثلاً پانی، سیوریج، بجلی، کچرے کی صفائی وغیرہ پر ناقابل برداشت حد تک بوجھ پڑ رہا ہے۔ شہر میں جہاں پہلے ہی پارکوں اور کھیل کے میدانوں کا فقدان ہے کھلی جگہیں تیزی سے معدوم ہوتی جارہی ہیں۔

شہری کا موقف یہ ہے کہ "آباد" نے جس تشویش اور پریشانی کا اظہار کیا ہے وہ حقائق پر مبنی نہیں ہے کیونکہ تعمیراتی قوانین کسی طور پر بھی کثیر المنزلہ عمارتوں کی تعمیر میں آڑے نہیں آتے

کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی اور کے ڈی اے کے حکام اور بلڈرز کے ناپاک گٹھ جوڑ کے نتیجے میں شہر کی بنیادی شہری سہولتوں اور علاقے کے باشندوں کی صحت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے اور اس کی قوت محرکہ دولت اور صرف بڑے پیمانے پر حب زر ہی ہے۔

"شہری" کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ اگر ان غیر قانونی سرگرمیوں کو نہ روکا گیا تو ان کے نتائج مستقبل قریب ہی میں اس شہر اور اس کے شہریوں کے حق میں نہایت تباہ کن ہوں گے۔ یہ کوشش کی گئی کہ انفرادی روابط، سیمینار اور ورکشاپوں، ذرائع ابلاغ اور رابطے کے دیگر وسائل کی مدد سے اس بحران کے بڑے اسباب کی نشاندہی کردی جائے اور ان اقدامات کی بھی نشان دہی کردی جائے جن کی مدد سے اس سلسلے میں مثبت تبدیلیاں لائی جاسکیں۔ چنانچہ کراچی بلڈنگ اتھارٹی، کے ڈی اے، کے ایم سی کے حکام، بلڈرز، ضلعی انتظامیہ، سیاستدانوں، عام شہریوں اور عدلیہ سے اعلیٰ ترین سطح پر رابطے قائم کئے گئے۔ اس طویل عمل کے نتیجے میں جس میں ایڈووکیسی، مشاورت، میٹنگس احتجاج اور عدالتی معرکہ آرائیاں شامل ہیں خاصی کامیابیاں بھی حاصل ہوئی ہیں۔ اس جہد مسلسل میں قابل ذکر اہم مرحلہ اس وقت آیا جب اس سال کے شروع میں بڑی تعداد میں غیر قانونی عمارتیں سربمہر کی گئیں اور کمشنر کراچی یا سابق وزیراعلیٰ سندھ کے حکم پر بعد میں منہدم کردی گئیں۔ یہ عمل اب تک جاری ہے۔ مقامی اخبارات میں اس جاری عمل کے بارے میں خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اس ڈرامے کے تمام متعلقہ اداکار مثلاً "آباد" کے بی سی اے، کے ڈی اے

شہری

بی206بلاک2-پی ای سی ایچ ایس
کراچی75400-پاکستان
ٹیلی فون/ فیکس92-21-453-0646
e-mail/address:Shehri@-Shehri.a. khi.brain.net.pk.

ایڈیٹر : انیس ہارون

انتظامی کمیٹی

چیئرپرسن : قاضی فائز عیسیٰ
وائس چیئرپرسن : حسن جعفری
جنرل سیکریٹری : امبر علی بھائی
ارکان دانش آزرزوبی
فرحان انور
وکٹوریہ ڈی سوزا
نوید حسین، حمیرا رحمٰن

شہری اسٹاف

ایڈمنسٹریٹر : مسز منصور
پراجیکٹ اسسٹنٹ : اسامی خالی ہے
سیکریٹری : مسز ناہید قادر

شہری ذیلی کمیٹیاں

آلودگی کے خلاف : نوید حسین
تحفظِ ورثہ : دانش آزرزوبی
حمیرا رحمٰن
میڈیا اور بیرونی روابط : حمیرا رحمٰن، حسن جعفری، فرحان انور
قانون : قاضی فائز عیسیٰ، امید علی بھائی
رولینڈ ڈی سوزا، وکٹوریہ ڈی سوزا
پارکس اور تفریح : خطیب احمد
مالی حصول : تمام ارکان

ذیلی کمیٹیوں کی رکنیت شہری برائے بہتر ماحول کے تمام ارکان کے لئے کھلی ہے۔ اس اشاعت میں شامل مضامین کو شہری کے حوالے کے ساتھ شائع کرنے کی اجازت ہے۔

ایڈیٹر/ ادارتی عملہ کا خبرنامہ میں شائع ہونے والے مضامین سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

لے آؤٹ اور ڈیزائن : زیڈ یالار
پروڈکشن : انٹرپرائز کیمونیکیشن
مالی تعاون فریڈرک نومان فاؤنڈیشن
رکن IUCN
دی ورلڈ کنزرویشن یونین

اور ترقیات کے ماہرین اس سلسلے میں اپنا اپنا موقف پیش کر رہے ہیں۔

جاریہ مہم کے خلاف احتجاج میں "آباد" (ایسوسی ایشن آف بلڈرز اینڈ ڈیولپرز) کی آواز سب سے زیادہ بلند آہنگ ہے۔ ان کا موقف ہے کہ موجودہ تعمیراتی قوانین، ضمنی قواعد اور ضوابط موجودہ زمینی حقائق اور شہر کی بڑھتی ہوئی رہائشی ضروریات سے مطابقت نہیں رکھتے، لہٰذا ان کے تحت ایسے سخت اقدامات نہ کئے جائیں کیونکہ یہ کثیرالمنزلہ عمارتیں شہر کی بڑھتی ہوئی رہائشی اور تجارتی ضروریات کو ہی پورا کرنے کے لئے تعمیر کی جارہی ہیں، "آباد" کا کہنا ہے کہ حکام کی کارروائی کے نتیجے میں عام شہریوں کے وہ لاکھوں کروڑوں روپے ڈوب جائیں گے جو انہوں نے ان سربمہر اور منہدم کی جانے والی عمارتوں میں فلیٹوں اور دکانوں کی خریداری یا کرائے پر حاصل کرنے کے لئے ادا کئے ہیں۔ "شہری" کا موقف یہ ہے کہ آباد نے جس تشویش اور پریشانی کا اظہار کیا ہے وہ حقائق پر مبنی نہیں ہے۔ کیونکہ تعمیراتی قوانین کسی طور پر بھی کثیرالمنزلہ عمارتوں کی تعمیر میں آڑے نہیں آتے، بشرطیکہ متعلقہ قواعد اور طریق کار کی پابندی کی جائے۔ اگر سندھ بلڈنگ کنٹرول آرڈیننس کے سیکشن 12 (بلڈنگ کے این او سی کی فروخت) کی پابندی کی جائے اور اس میں دیئے ہوئے طریقہ کار پر سختی سے عمل کیا جائے تو ایسا کوئی بحران کبھی پیدا ہی نہیں ہوگا۔

لیکن چونکہ بلڈنگ پلان اور سائیٹ کا محل وقوع ایسا ہوتا ہے کہ بلڈرز ان قوانین کے اطلاق کے متحمل ہی نہیں ہوسکتے۔ وہ کے بی سی اے اور کے ڈی اے کے حکام کے ساتھ ملی بھگت کرکے انھیں آسانی کے ساتھ نظرانداز کردیتے ہیں۔ عام طور پر طریقہ واردات یہ ہوتا ہے کہ نقشے منظور کرالئے جاتے ہیں اور پراجیکٹ سائیٹ پر ایک بکنگ آفس بنادیا جاتا ہے تاکہ تیسری پارٹی کی دلچسپی پیدا کی

"شہری" کو یہ احساس ہوگیا تھا کہ اگر ان غیرقانونی سرگرمیوں کو نہ روکا گیا تو ان کے نتائج مستقبل قریب ہی میں شہریوں کے حق میں نہایت تباہ کن ثابت ہوں گے

جاسکے۔ صرف یہی نہیں کہ عمارت کے ڈھانچے کے سلسلے میں خلاف ورزیاں کی جاتی ہیں بلکہ ہر قسم کی قانونی، طریقہ کار کی اور عمارت کے بنیادی تصور تک کی بلڈرز خلاف ورزیاں کرتے ہیں۔

جہاں تک عام شہریوں کے لاکھوں کروڑوں روپے پھنس جانے کا تعلق ہے، اس ضمن میں "شہری" کی تجویز ہے کہ شہری اداروں سمیت تمام متعلقہ پارٹیوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی جائے اس کمیٹی کو یہ کام سونپا جائے کہ وہ سربمہر کی جانے والی عمارتوں کے معائنہ اور ادائیگیوں کے طریق کار کی سفارش کرے اور دیکھے کہ ان عمارتوں میں کس حد تک خلاف ورزیاں کی گئی ہیں تاہم ایسا لگتا ہے کہ کثیرالمنزلہ عمارتوں کی تعمیر کے سلسلے میں تمام بڑے بڑے فیصلے رائے عامہ معلوم کئے بغیر ہی کئے جارہے ہیں، جیسا کہ شاہراہ فیصل پر کثیرالمنزلہ عمارتیں تعمیر کرنے کی اجازت دینے کے سلسلے میں ہوا جسے "شہری" سمیت عوام چیلنج کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

شاہراہ فیصل کو ایک تجارتی سڑک کا درجہ دیا گیا ہے اور اس پر کثیرالمنزلہ عمارتوں کی تعمیر کی اجازت دی گئی ہے۔ سڑک کے دونوں جانب کے رہائشی مکانات وزارت تعمیرات، پی ای سی ایچ ایس اور محمد علی ہاؤسنگ سوسائٹی وغیرہ کی معرفت وفاقی حکومت کی ملکیت ہیں جو کہ اس اراضی کے لائسنس یافتگان ہیں۔ تاہم ان کو آپریٹو سوسائٹیوں کو اس فیصلہ سازی کے عمل میں شریک نہیں کیا گیا جس کے نتیجے میں شاہراہ فیصل پر کثیرالمنزلہ عمارتیں تعمیر کرنے کی اجازت دی گئی۔

فیصلہ کرنے والے اداروں کی اس کوتاہی کے باعث ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مستقبل میں ایسی مقدمے بازیوں کا دروازہ

باقی صفحہ ۱۹ پر

مناسب طریقہ

عمارتوں کی فروخت

۱) کوئی بلڈر متعلقہ اتھارٹی سے تحریری اجازت حاصل کرنے سے پہلے کسی عمارت کی فروخت کے لئے کسی بھی سمعی اور بصری ذریعے سے تشہیر نہیں کرے گا اور اپنے اشتہار میں عمارت کے بارے میں وہ تمام تفصیلات مہیا کرے گا جو متعین کی جائیں گی۔

۲) اتھارٹی کی جانب سے ذیلی شق نمبر ا کے تحت جو منظوری دی جائے گی اسے بلڈر کے دفتر میں یا عمارت کی سائٹ پر نمایاں طور پر آویزاں کیا جائے گا۔

۳) بلڈر اس بلڈنگ میں دیئے گئے رہائشی یونٹوں کی تعداد سے زیادہ تعداد میں ذیلی شق نمبر ۱ کے تحت اشتہار کے جواب میں موصول ہونے والی درخواستوں کو نہ قبول کرے گا اور نہ رجسٹر کرے گا۔

۴) اشتہار کے جواب میں درخواست موصول ہونے کی صورت میں بلڈر اور درخواست دہندہ کے درمیان عمارت کی تعمیر اور منتقلی کے بارے میں ایک معاہدہ ہوگا اور اس معاہدے میں بطور خاص اس تاریخ کا تعین ہوگا جب تعمیر مکمل ہوگی اور عمارت کا قبضہ دیا جائے گا اور وہ تاریخ بھی جب پوری قیمت ادا کردی جائے گی۔

سربمہر عمارتوں کی تفتیش

شہری کا موقف

قاضی فائز عیسیٰ سربمہر کی جانے والی عمارتوں کے بحران سے متعلق مسائل اور موجودہ صورت حال کے خاتمے کے بارے میں کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کی حالیہ کوششوں کے قابل یقین ہونے کے بارے میں تفصیلی اظہار خیال کرتے ہیں

عظیم تر شہر کراچی کے شہریوں کی پیٹھ میں ایک بار پھر خنجر گھونپا گیا ہے۔ شہری برائے بہتر ماحول کو اپنے ذرائع سے وہ رپورٹ حاصل ہوئی ہے۔ جو "آباد" کے ارکان کے سربمہر کئے جانے والے پروجیکٹس کے بارے میں تحقیقات کے لئے قائم کی گئی کمیٹی نے مرتب کی ہے (حالانکہ جب اس رپورٹ کی ایک نقل شہری کو بھی فراہم کرنے کی درخواست کی گئی تو کمشنر کراچی یا ڈائریکٹر جنرل کے ڈی اے کی جانب سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا) اس کمیٹی کی تشکیل' اس کا طریقہ کار اور اس کی سفارشات قابل اعتراض ہیں۔

تشکیل

یہ کمیٹی کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے دو ملازمین پر مشتمل ہے۔ اتھارٹی تعمیراتی قوانین پر عملدرآمد کرانے کی ذمہ دار ہے' لیکن وہ اپنی قانونی ذمہ داریوں کو بوجوہ پورا کرنے میں ناکام رہی ہے' جس کا سبب غفلت' لاپرواہی یا شعوری طور پر گریز کرنا یا دونوں باتیں ہیں۔ کمیٹی کے باقی ارکان ایسوسی ایشن آف بلڈرز اینڈ ڈیولپرز کے ارکان ہیں۔ اسی ایسوسی ایشن کے ارکان کے خلاف تحقیقات ہو رہی ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ وہ اس کمیٹی کی کارروائی پر اثر انداز ہوں گے۔ اگر کمیٹی میں ایسوسی ایشن کا ایک نمائندہ شامل ہوتا تو اعتراض نہ ہوتا' لیکن بڑی تعداد میں "آباد" کے ارکان کی کمیٹی میں شمولیت سے کمیٹی سے آزاد روی اور انصاف کی توقع رکھنا عبث ہے۔ ایسی کمیٹی کی تشکیل ہی سے اعتماد و یقین اٹھ گیا ہے۔ ہر شہری اس ضمن میں یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ

- کمیٹی میں معاملات کا علم رکھنے والے شہریوں کو کیوں شامل نہیں کیا گیا؟
- غیر سرکاری تنظیموں کے نمائندوں کو ارکان کی حیثیت سے شمولیت کی دعوت کیوں نہیں دی گئی؟
- شہرت یافتہ آرکیٹیکٹس' ٹاؤن پلانرز یا وکلاء کو کمیٹی میں شامل کیوں نہیں کیا گیا۔
- کمیٹی صرف دلچسپی رکھنے والی پارٹیوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس کی رپورٹ یا سفارشات ناقابل اعتبار ہو گئی ہیں۔

کمیٹی کا طریقہ کار

کمیٹی نے انتہائی خفیہ طریقے سے کام کیا' دلچسپی رکھنے والی پارٹیوں یا متعلقہ شہریوں کو اپنی رائے کا اظہار کرنے کے لئے کوئی پبلک نوٹس نہیں دیا گیا۔ نہ ہی خودمختار ماہرین' پیشہ ورانہ تنظیموں یا ماحولیاتی غیر سرکاری تنظیموں کو اپنی ماہرانہ رائے دینے کے لئے مدعو کیا گیا۔ رپورٹ میں جس واحد رائے کا ذکر کیا گیا ہے وہ "آباد" کی تھی (کمیٹی کے پانچ میں سے تین ارکان "آباد" کے ممبرز تھے) رپورٹ میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ کمیٹی کے اجلاس کب' کتنی مرتبہ اور کہاں ہوئے' مذکورہ رپورٹ میں اس بات کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا کہ آیا اس سلسلے میں کسی سابقہ رپورٹ پر بھی غور کیا گیا' قوانین کا جائزہ لیا گیا' ماہرین سے مشورہ طلب کیا گیا۔

کمیٹی کی سفارشات

کمیٹی نے معاملے کا باقاعدہ اور مناسب طور پر تجزیہ کئے بغیر ہی اپنا فیصلہ یوں صادر کردیا کہ......

"خلاف ورزی کے ان معاملات کو ایک ایسا کام سمجھا جائے جو پہلے ہی ہوچکا ہے اور اس ضمن میں بہترین راستہ یہی ہے کہ کے ڈی اے کی گورننگ باڈی نے اپنی قرارداد نمبر ۸۷۶/ ۱۹۹۳ء میں جو اضافی فیسیں اور دیگر واجبات مقرر کئے ہیں ان کی ادائیگی کے بعد ان معاملات کو قواعد کے مطابق قرار دے دیا جائے۔"

"اگر ان علاقوں کو باقاعدہ کرنے کی تجویز منظور کرلی جائے تو اس کے لئے سندھ بلڈنگ کنٹرول آرڈی نینس کی دفعہ ۱۹ (ا۔الف) میں ضروری ترامیم کرنے کی ضرورت ہوگی۔"

اگر مذکورہ کمیٹی کی سفارشات پر کسی طور پر بھی عمل کیا گیا تو اس سے شہریوں کے حقوق بری طرح متاثر ہوں گے۔

۱) اس سے یہ اصول ثابت ہوجائے گا کہ جرم کرنے والا فائدے میں رہتا ہے۔

۲) اس سے لوگوں کو یہ ترغیب ہوگی کہ وہ کسی قانون کی پابندی نہ کریں' کیونکہ قانون کی خلاف ورزی کے ارتکاب کے بعد یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ یہ کام تو اب ہوچکا ہے۔

۳) اس سے غیر ضروری قانونی مسائل اور پیچیدگیاں پیدا ہوں گی۔ مثلاً مستقبل میں اگر دوسرے لوگ تعمیراتی قوانین کی خلاف ورزی کریں اور انہیں باقاعدہ نہ کیا جائے تو وہ یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ ان کے خلاف انتقامی کارروائی ہوئی ہے یا ان سے امتیاز برتا گیا ہے۔ محکمانہ طریق کار کو یک طرفہ طور پر اپنی مرضی سے نہیں بدلا جاسکتا اور وہ بھی قانون شکنی کرنے والوں کی سہولت کی خاطر

۴) کمیٹی نے یہ تسلیم کیا کہ ریگولرائزیشن کے لئے قانون کی دفعہ ۱۹ (ا۔الف) میں ترمیم کرنا ہوگی۔ لہٰذا کمیٹی کی سفارشات پر عمل کرنے کے لئے قانون میں تبدیلی کی ضرورت ہوگی۔ ایسی سفارش کرکے کمیٹی نے اپنی اختیار کی حدود سے تجاوز کیا ہے۔ کمیٹی سے یہ توقع کی گئی تھی کہ وہ اپنی سفارشات موجودہ قوانین کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے کرے گی۔ کمیٹی سے یہ توقع ہرگز نہیں کی گئی تھی کہ وہ چند بلڈرز کو فائدہ پہنچانے کے لئے قانون بدلنے کا مشورہ دے گی۔ اگر مقننہ کمیٹی کی سفارشات پر عمل کرے گی تو اس پر سخت نکتہ چینی ہوگی اور مکروفریب کا الزام آئے گا۔

کمیٹی پر تبصرہ

کمیٹی نے نہ صرف ان بلڈرز کی حمایت کی جو قانون شکنی کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے ان کی مکمل حمایت کا اعادہ کیا۔ اس سلسلے میں رپورٹ کا مندرجہ ذیل اقتباس شہریوں کے احساس کے لئے

تازیانہ ہیں۔

"یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ ان معاملات کا فیصلہ ان خدمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا جائے جو "آباد" کے ارکان بے گھر لوگوں کو جائے پناہ فراہم کرنے کے سلسلے میں انجام دے رہے ہیں۔"

یہ بات قابل فہم ہے کہ کمیٹی میں "آباد" کے ارکان تو ایسا بیان دے سکتے ہیں۔ لیکن حیرت ناک بات یہ ہے کہ کے بی سی اے کے کنٹرولر اور ڈپٹی کنٹرولر بھی اس کی توثیق کررہے ہیں۔ "آباد" کے ارکان اس دنیا کے "ایدھی" نہیں ہیں کہ وہ خدمت خلق کررہے ہیں بلکہ وہ اپنے کاروبار سے منافع حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہیں۔ ایک بلڈر عام طور پر گراؤنڈ فلور کی تعمیر سے ہی زمین پر کی گئی سرمایہ کاری واپس نکال لیتا ہے اور ہر اضافی منزل کی تعمیر سے اسے ۸۰ فیصد سے زائد منافع ہوتا ہے۔ جب اتنے بھاری منافع کا سوال ہو تو پھر بدعنوانیوں کا کیا ٹھکانہ' پھر اس معاملے میں سیاستدانوں اور بدعنوان کے بی سی اے کے ملازمین کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں تاکہ عمارت زیادہ سے زیادہ بلند ہوسکے اور کھلی جگہوں کے قواعد کو پامال کیا جاسکے۔ اس صورت حال میں جب بھی کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی پر عوام کا دباؤ بڑھتا ہے کہ کارروائی کی جائے تو ریگولرائزیشن کی تجویز پیش کردی جاتی ہے۔

یہ نام نہاد ریگولرائزیشن' قانون اور نظم وضبط کے اصولوں پر مبنی معاشرے کے تصور کے قطعاً" منافی ہے۔ اگر ریگولرائزیشن ہی کو واحد حل تسلیم کرلیا جائے تو پھر تمام تعمیراتی قوانین اور ریگولیٹری اداروں کو ختم کردیا جائے اور ہر قسم کی تعمیراتی سرگرمیوں کے لئے صرف "ریگولرائزیشن فیس" کی ایک اسکیم برقرار رکھی جائے' اس اسکیم کا مقولہ یہ ہونا چاہئے کہ "تعمیر کرتے جائیں اور ادا کرتے جائیں۔" لیکن یہ امر یقینی ہے کہ کے بی سی اے ایسی سفارش ہرگز نہیں کرے گی اور نہ ہی پارلیمنٹ اس کی حمایت کرے گی کیونکہ اس کے نتیجے میں بدعنوان بلڈنگ اتھارٹیز اور سیاستدانوں کے ہاتھ سے امتیازی اختیارات چھن جائیں گے اور جس چیز کو قانوناً" خریدا جاسکتا ہے اس کے لئے رشوت نہیں دی جائے گی۔

آئندہ راہ

ایک سال سے زائد عرصہ ہوگیا جب اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ پیش کی تھی جو کہ اس وقت کے ایڈمنسٹریٹر کے ایم سی فہیم الزماں نے سندھ بلڈنگ کنٹرول آرڈی ننس ۱۹۷۹ء میں ترامیم تجویز کرنے کے لئے قائم کی تھی۔ یہ کمیٹی مندرجہ ذیل پیشہ ور ماہرین پر مشتمل تھی۔

جناب نعیم الرحمان بار ایٹ لاء' جناب عارف حسن آرکیٹیکٹ' جناب ارشد عبداللہ آرکیٹیکٹ' جناب رؤف اختر فاروقی اس وقت چیف کنٹرولر بلڈنگ کے بی سی اے' کے ڈی اے کا نمائندہ' جناب مخدوم علی خان بیرسٹر ایٹ لاء' قاضی فائز عیسیٰ بیرسٹر ایٹ لاء' پروفیسر محمد نعمان' ایڈمنسٹریٹر کے فنی مشیر کی حیثیت سے کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کرتے رہے۔

مذکورہ کمیٹی نے تین ماہ کے عرصے میں متعدد اجلاس کئے اور مجوزہ ترامیم پیش کیں جنہیں تمام ارکان نے متفقہ طور پر منظور کیا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ ایک سال گزر جانے کے باوجود حکومت نے ان سفارشات کے سلسلے میں کوئی کارروائی کیوں نہیں کی۔ اگر یہ ترامیم تجویز کے مطابق نافذ کردی جاتیں تو ایسے متعدد مسائل سے بچا جاسکتا تھا جو آج درپیش ہیں۔ مجوزہ ترامیم میں یہ سفارشات شامل تھیں۔

> **کمیٹی نے انتہائی خفیہ طریقے سے کام کیا' دلچسپی رکھنے والی پارٹیوں یا متعلقہ شہریوں کو اپنی رائے کا اظہار کرنے کے لئے کوئی پبلک نوٹس نہیں دیا گیا' نہ ہی خود مختار ماہرین' پیشہ ورانہ تنظیموں یا ماحولیاتی غیر سرکاری تنظیموں کو رائے دہی کے لئے مدعو کیا گیا**

۱) کے بی سی اے کی کارکردگی کی نگرانی کے لئے ایک مستقل کمیٹی قائم کی جائے اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ کمیٹی سیاسی دباؤ سے آزاد ہو اور خالصتاً" پیشہ ورانہ انداز میں کام کرے چنانچہ یہ تجویز کیا گیا کہ کمیٹی کے سات ارکان میں ایک ایک وکیل' آرکیٹیکٹ' ٹاؤن پلانر اور انجینئر شامل ہو اور اس کی میعاد تین سال کے لئے مقرر ہو۔

۲) اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کہ عوام کو اچھی طرح معلوم ہو کہ کس بلڈر کو عمارت تعمیر کرنے کی اجازت دی گئی ہے تاکہ بے خبری میں شہری اپنی رقوم غیرمجاز منصوبوں میں نہ ڈبوئیں یہ تجویز کیا گیا کہ......

"ہر ڈیولپر اور بلڈر اپنی تعمیراتی سائٹ پر ایک سائن بورڈ نصب کرے گا جس پر نمایاں طور پر اس اتھارٹی کا نام لکھا ہوگا جس نے اس منصوبے کی منظوری دی ہے۔ اس پر وہ منظور شدہ پلان بھی ہوگا جس پر سائٹ کے مالک' ڈیولپر' بلڈر' آرکیٹیکٹ اور متعلقہ انجینئرز کے نام اور پتے بھی درج ہوں گے۔ ان شرائط کی تکمیل میں ناکامی کی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ پلاٹ پر تعمیر متعلقہ اتھارٹی کی منظوری کے بغیر کی جارہی ہے اور اس پر متعلقہ اتھارٹی کی جانب سے مناسب کارروائی کی جائے گی۔

۳) عوام کے مزید تحفظ اور غیرقانونی عمارتوں میں تھرڈ پارٹی کا مفاد پیدا کرنے کی روک تھام کے لئے یہ تجویز کیا گیا کہ

"دیگر نافذ قوانین سے قطع نظر رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۰۸ء کے تحت کسی قسم کی عمارت کی فروخت یا لیز کی رجسٹریشن اس وقت تک نافذ العمل نہیں ہوگی جب تک اس عمارت کے لئے متعلقہ اتھارٹی کی جانب سے جاری کردہ تکمیل کا سرٹیفکیٹ مجاز افسر رجسٹریشن کو نہ دکھایا جائے اور اس کی ایک نقل فروخت یا لیز کی دستاویز کے ساتھ منسلک نہ کی جائے۔"

۴) عوام کو دھوکہ دہی سے مزید محفوظ رکھنے کی غرض سے یہ تجویز کیا گیا کہ......

"ڈیولپرز یا بلڈر اتھارٹی کے پاس پروجیکٹ کی مالیت کے دو فیصد کے برابر رقم جمع کرائے گا تاکہ اس رقم سے الاٹی یا منتقلی کرانے والے کے کامیاب دعوؤں کی ادائیگی کی جاسکے۔ اگر کوئی دعویٰ ہو تو اس کی ادائیگی کے بعد اتھارٹی باقی ماندہ رقم جو گورنمنٹ سیکورٹیز میں لگائی جائے گی بارہ ماہ کے اندر منافع یا مارک اپ کے ساتھ بلڈر کو لوٹا دے گی۔

۵) اس امر کی ضمانت کے لئے کہ اتھارٹی کے ملازمین پر کسی قسم کا سیاسی یا کوئی دوسرا دباؤ نہیں ڈالا جاسکے گا اور دیانت دار ملازمین کی حوصلہ افزائی اور بدعنوان اور نااہل افراد کی بیخ کنی کے لئے سندھ بلڈنگ کنٹرول آرڈی ننس میں مکمل تحفظ کی مندرجہ ذیل شق کا اضافہ کیا جائے گا۔ "اتھارٹی کے کسی افسر کی جانب سے بدنیتی یا بدعنوانی کی صورت میں کمیٹی کو شکایت پیش کی جائے گی جو مناسب تحقیقات کے بعد حکومت کو سفارش کرے گی کہ اس افسر کو برطرف یا معطل کیا جائے' جرمانہ کیا جائے یا وارننگ دی جائے اور اس کا اندراج اس افسر کی سالانہ خفیہ رپورٹ میں کیا جائے گا۔"

باقی صفحہ ۱۶ پر

شخصی تعارف

کھارے پانی کو زرعی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے

○ **سوال۔ ہمیں اپنے بایو سیلائین پراجیکٹ کے بارے میں بتائیں یہ کب شروع ہوا اور کیوں؟**

* جواب۔ ایک وقت ایسا بھی تھا جب یہ سمجھا جاتا تھا کہ نمکین پانی آبپاشی کے لئے موزوں نہیں ہے تاہم بعد میں تحقیقات کے نتیجے میں یہ ثابت ہوا کہ بعض اقسام کے پودے' درخت اور جھاڑیاں نمک برداشت کرلیتے ہیں اور انہیں ریتلے صحراؤں اور ریتلے ساحلی علاقوں میں آسانی سے اگایا جاسکتا ہے۔ چیکو' کیکر' نیم' سوڈان ٹیک' صحرائی بائین اور چقندر اس کی چند مثالیں ہیں۔ صحرائی اور نیم صحرائی خطوں میں ایسی زراعت کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں صحراگری اور جنگلات کی کٹائی کا عمل تیزی سے جاری ہے چنانچہ اس بات کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ بایوسیلائین زراعت کے طریقے پر تحقیق کی جائے۔ 1910ء میں کراچی یونیورسٹی میں یہ انسٹی ٹیوٹ قائم کیا گیا۔

○ **سوال۔ کیا آپ نے پاکستان میں کوئی ایسا پراجیکٹ شروع کیا ہے؟**

* جواب۔ جی ہاں۔ ہم نے سجاول میں نمک برداشت کرلینے والی چرنے کے قابل جھاڑیوں کا منصوبہ شروع کیا ہے۔ تقریباً" دس ایکڑ اراضی پر سونمیانی میں بھی ایسی جھاڑیاں اور پودے لگائے گئے۔ بعد ازاں اس علاقے میں مویشی بانی کی صنعت شروع کی گئی۔ بلوچستان کے محکمہ جنگلات نے پسنی کے علاقے میں کیکر کی کاشت کا منصوبہ بڑی کامیابی سے مکمل کیا ہے۔

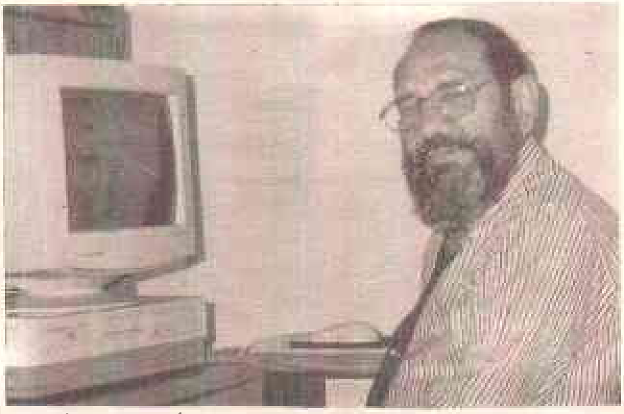

ڈاکٹر رفیق احمد جو اس وقت جامعہ کراچی کے شعبہ حیاتیات میں بایو سیلائین پراجیکٹ کے پرنسپل انویسٹی گیٹر کے طور پر کام کر رہے ہیں خود اپنی ذات میں ایک ادارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر رفیق احمد نے امریکہ کی مشہور اوہایو اسٹیٹ یونیورسٹی سے پلانٹ فزیالوجی کے شعبے میں پی ایچ ڈی کیا ہے۔ وہ ریتلے صحراؤں اور ساحلی ریگزاروں میں زراعت اور جنگل اگانے کے لئے زیرزمین کھارے پانی کے استعمال میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں۔ "شہری" سے ڈاکٹر رفیق احمد کی گفتگو۔

○ **سوال۔ آپ نے کیکر کے بارے میں خاصی تحقیقات کی ہے اس قسم کی زراعت کے کیا اقتصادی اور ماحولیاتی فوائد ہیں؟**

* جواب۔ دنیا بھر میں کیکر کی 20 مختلف اقسام پائی جاتی ہیں۔ ہم اپنے تحقیقی مرکز میں ان میں سے تقریباً" آٹھ اقسام کو ترقی دے پائے ہیں۔ کیکر سے بے شمار فوائد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ اسے ایندھن کی لکڑی کے طور پر' مویشیوں کے چارے اور زرعی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ غذائی مصنوعات مثلاً پھل اور شہد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ برازیل میں کیکر کے بیجوں سے کافی بنائی جاتی ہے۔ گوند حاصل کیا جاسکتا ہے۔ کیکر کی لکڑی تعمیراتی کاموں میں بھی استعمال ہوتی ہے اس سے چھوٹی جھونپڑیاں اور حفاظتی باڑھ بنائی جاتی ہے۔ یہ تمام فوائد بڑی آسانی سے براہ راست حاصل کئے جاسکتے ہیں جس کے نتیجے میں اسے استعمال کرکے معاشی فوائد کے ذریعے عوام کا معیار زندگی بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ اس تحفظ اراضی' سطح زمین کی مضبوطی اور علاقے کے حسن میں اضافہ بھی شامل ہے۔

○ **سوال۔ کیا دنیا کے دوسرے علاقوں میں اس ضمن میں کامیابی کی مثالیں موجود ہیں؟**

* جواب۔ بے شک' آسٹریلیا میں چرائی کے قابل نمکین جھاڑیاں اگائی جاتی ہیں۔ آسٹریلیا میں بھیڑیں اور بکریاں پالنے کے بڑے بڑے فارم صرف اسی قسم کی زراعت کی بدولت قائم ہیں' ہالینڈ میں زمین کی قلت کے باعث ریتلے ساحلی علاقے سمندر سے حاصل کرکے وہاں چارے کے طور پر چقندر کی کاشت کی جاتی ہے اور اس کی بنیاد پر مویشی بانی کی جاتی ہے۔ بعض دوسرے ممالک مثلاً جنوبی امریکہ' میکسیکو' جنوبی ریاست ہائے متحدہ امریکہ' مصر' اسرائیل وغیرہ میں بایو سیلائین زراعت کے طریقے سے بھرپور فائدہ اٹھایا جارہا ہے۔

○ **سوال۔ کیا ہم اس طریقہ زراعت کو تھر جیسے علاقوں میں بروئے کار نہیں لاسکتے؟**

* جواب۔ یقیناً ہم لاسکتے ہیں اور ہمیں لانا چاہئے۔ سب سے پہلے تو میں یہ کہوں گا کہ تھر حقیقت میں صحرا نہیں ہے ان حقیقی معنوں میں جسے ہم کہتے ہیں کہ ریگستان ہے۔ تھر میں متعدد جگہوں میں ہریالی پائی جاتی ہے جبکہ ریگستان میں آپ میلوں چلتے جائیں اور کہیں زندگی کا نام و نشان نہیں ملے گا۔ لہٰذا آپ یہاں اس طریقہ زراعت سے بڑی آسانی کے ساتھ

استفادہ کرسکتے ہیں میں ذاتی طور پر اس سلسلے میں اپنی خدمات پیش کرنے کو تیار ہوں لیکن ایسے طویل المیعاد مصوبوں کے لئے مالی امداد درکار ہوگی۔ سفرو رہائش کی سہولتیں مہیا کرنی ہوں گی۔ ہمیں ایسے افراد کی ضرورت ہوگی جو صاحب نظر ہوں۔

○ **سوال۔ آپ کی تحقیق سے کراچی جیسے شہری مرکز کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟**

* جواب۔ کراچی میں بیشتر پارک اور کھلے مقامات درختوں سے محروم ہیں اس کا ایک سبب پانی کی قلت ہے۔ ان پارکوں کو ڈرپ کلچر ٹیکنالوجی جیسے پانی کی بچت کے طریقوں اور زیرِ زمین پانی کو بروئے کار لا کر نئی زندگی بخشی جاسکتی ہے۔ اس ضمن میں ہماری تحقیق اور مہارت بڑی مدد دے سکتی ہے۔ کراچی کے ساحلی جنگلات کی تباہی کے بارے میں بڑی بڑی باتیں کی جاتی ہیں۔ اس تباہی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ

جانوروں کے چارے کے لئے سجاول میں کاشت کی گئیں نمکین جھاڑیاں

سجاول میں نمکین جھاڑیوں کی کاشت کی جارہی ہے'

تقریباً" دس ایکڑ اراضی پر سونمیانی میں بھی ایسی جھاڑیاں کاشت کی گئی ہیں

مقامی دیہاتی دلدلی جنگلات کو ایندھن اور چارے کے طور پر استعمال کرتے ہیں کیونکہ ان کے پاس اور کوئی متبادل نہیں ہے اگر ہم ساحل سے کچھ فاصلے پر کیکر اگا سکیں تو ان دیہاتیوں کو ایندھن اور چارے کے حصول کا ایک اور متبادل ذریعہ مل سکتا ہے۔ ایسی زراعت کو فروغ دے کر کراچی میں بھی مویشی بانی کی صنعت شروع کی جاسکتی ہے۔

○ **سوال۔ کراچی میں سیوریج کا ری سائیکل کیا ہوا پانی بھی آب پاشی کے مقاصد کے لئے استعمال کیا جارہا ہے کیا یہ طریقہ درست ہے؟**

* جواب۔ جی ہاں۔ بشرطیکہ مناسب طریقے سے اس پانی کا ٹریٹ منٹ کیا گیا ہو، خلیج کے علاقے میں یہ طریقہ بہت عام ہے اور اس کے بہتر نتائج مرتب ہوئے ہیں۔

○ **سوال۔ ہمارے ملک میں اس نوعیت کی زراعت کو فروغ دینے کے لئے کیا اقدامات کئے جائیں؟**

* جواب۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ ہمیں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو اس سلسلے میں تحقیق و ترقی کے منصوبوں پر سرمایہ کاری کرسکیں۔ اگر سرمایہ دستیاب بھی ہو تو یہ سرمایہ کاری طویل مدت کے لئے ہوگی۔ اس کے لئے افرادی قوت دستیاب ہے لیکن اس کی امداد اور حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے۔

ایک بہتر ماحول کی تخلیق کے لئے

"شہری" میں شمولیت اختیار کیجئے

اگر آپ "شہری" میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو براہ کرم یہ کوپن بھر کر اس پتے پر روانہ کردیں۔

شہری برائے بہتر ماحول

206 جی۔ بلاک 2۔ پی ای سی ایچ ایس، کراچی 75400۔ پاکستان

ٹیلی فون/فیکس۔ 92-21-4530646

e-mail/address: Shehri @ - Shehri. a. khi. brain.net.pk

نام ______________ ٹیلی فون (گھر) ______________

ایڈریس ______________________________

پیشہ ______________ ٹیلی فون (دفتر) ______________

شہری کی رکنیت

1997ء کے لئے شہری کی رکنیت کی تجدید کروانا نہ بھولیں۔ شہری میں شرکت کریں اور بطور شہری اس شہر کو صاف کرنے' صحت بخش اور ماحول دوست مقام بنانے کے لئے مدد دیں۔

شہری کی خصوصی رپورٹ

سندھ کے بادکش

حیدرآباد اور اندرون سندھ کے مکانوں کو ہوادار اور روشن بنانے کے لئے باد کش تعمیر کئے جاتے تھے' یہ منفرد طریقہ گزشتہ دو سو سال سے بڑی کامیابی کے ساتھ رائج ہے

ترقی یافتہ دنیا میں عمارتوں اور رہائشی منصوبوں میں توانائی کی بچت کے لئے نت نئے طریقے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ توانائی کو موثر اور باکفایت طور پر استعمال کرنے والے گھروں کے نئے نئے ڈیزائن متعارف کرائے جا رہے ہیں۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ اب ہمیں یہ احساس ہوگیا ہے کہ ہم اپنے توانائی کے حصول کے محدود وسائل کو تیزی سے خرچ کر رہے ہیں اور اس عمل کے دوران اپنے ماحول کو بھی آلودہ اور پراگندہ کر رہے ہیں۔

تاہم ہمارے خطے میں گزشتہ سو دو سو سالوں سے گھروں کو ہوادار اور روشن رکھنے کے لئے قدرتی ہوا کو استعمال کرنے کا ایک منفرد طریقہ بڑی کامیابی سے رائج ہے۔ حیدر آباد شہر اور اندرون سندھ میں مکانوں کو ہوادار بنانے اور روشن کرنے کے لئے گھروں پر "بادکش" تعمیر کئے جاتے تھے۔ ایسے "بادکش" آج بھی پرانے مکانات کی چھتوں پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

"بادکش" کی تعمیر کی تکنیک پر ہوتی تھی کہ چھت کے ایک کونے میں تقریباً "3x3 فٹ کا مربع حصہ کھلا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس کا آدھا حصہ دیوار سے روک دیا جاتا ہے۔ مربع شکل کے سوراخ کو لوہے کے سریوں کا جال بنا دیا جاتا ہے تاکہ کوئی بڑی چیز کمرے میں نہ گرے۔ اس سوراخ کا ڈھکنا قبضوں کی مدد سے جڑا ہوا ہوتا ہے تاکہ اسے مکینوں کی ضرورت کے مطابق کھولا یا بند کیا جاسکے۔ اندرون سندھ کے ان علاقوں میں چونکہ ایک ہوائی سرنگ موجود ہوتی ہے لہٰذا یہ "بادکش" ہوا کو کھینچنے اور اسے نیچے کمروں تک پہنچانے کا ایک موثر ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔ ایئرکنڈیشنرز اور بجلی کے پنکھوں کے دور سے پہلے سندھ کے شدید گرم موسم میں گرمی سے بچاؤ کا یہی واحد طریقہ تھا۔

اب نئے مکانات کی تعمیر میں بادکشوں کا استعمال بڑی حد تک کم ہوتا جارہا ہے کیونکہ اب ان گھروں میں جدید سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں۔ حیدر آباد کے ایک شہری کا کہنا ہے کہ "بادکشوں کی افادیت اب ختم ہوگئی ہے اور اب وہ ماضی کی یادگار رہ گئے ہیں۔" لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ بادکش جدید ٹیکنالوجی کی ترقی کے باعث بے کار ہوگئے ہیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے ترقی یافتہ دنیا اپنی ترجیحات بدل رہی ہے اور توانائی کے باکفایت استعمال کے ماحول دوست طریقے اپنا رہی ہے جن میں شمسی توانائی' ہوائی توانائی اور سمندری لہروں کی توانائی وغیرہ شامل ہیں۔

پاکستان جیسے کم ترقی یافتہ ملک جو توانائی کے بحران سے دوچار ہیں' خاص طور پر چھوٹے شہروں اور دیہات میں ایسے طریقوں کے استعمال کی ایڈووکیسی کی ضرورت ہے۔

ہمیں ایسی سرگرمیوں کی حوصلہ شکنی کے بجائے حوصلہ افزائی کرنی چاہئے اور ان کے فوائد کا شمار نہ صرف مالی بلکہ ماحول کے تحفظ کے اعتبار سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ہمارا ماحول پہلے ہی بہت زیادہ آلودگی کا شکار ہے۔

روایتی بادکش

بلوچستان ہائیکورٹ کا تاریخی فیصلہ

قاضی فائز عیسیٰ[1]

شاذ ونادر ہی کوئی ایسا عدالتی فیصلہ ہوتا ہے جس کا اثر کسی شہر کے ہر باسی کے معیار زندگی پر پڑتا ہو اور جس سے شہریوں کی زندگیوں کو تحفظ ملتا ہو۔ بلوچستان ہائی کورٹ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ حال ہی میں اس نے ایک ایسا ہی تاریخی فیصلہ دیا ہے۔

ڈویژن بنچ جس نے بیگم سعیدہ قاضی عیسیٰ، قاضی عظمت عیسیٰ اور میری جانب سے کوئٹہ میونسپل کارپوریشن، کوئٹہ ڈیولپمنٹ اتھارٹی حکومت بلوچستان اور دیگر کے خلاف دائر کی جانے والی آئینی درخواست نمبر 125' 1995ء پر اپنا تاریخ ساز فیصلہ صادر کیا ہے عدالتی بنچ جسٹس امیرالملک مینگل (فیصلے کے منصف) اور جسٹس جاوید اقبال پر مشتمل تھا۔

یہ بلوچستان ہائیکورٹ میں دائر کیا جانے والا اپنی نوعیت کا پہلا مقدمہ تھا جس میں سرکاری حکام سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ شہر میں عمارتوں کی تعمیر سے متعلق اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔ اس کا فیصلہ اس اعتبار سے بھی اہم تھا کہ اس کا اطلاق نہ صرف کوئٹہ میں تعمیر ہونے والی ہر عمارت پر ہوتا ہے بلکہ ہر اس عمارت پر بھی ہوگا جو آئندہ تعمیر کی جائے گی۔

وادی کوئٹہ اس خطے میں واقع ہے جو زلزلوں کے لحاظ سے سرگرم ہے اور ماضی میں وہاں کئی تباہ کن زلزلے آچکے ہیں جن سے بھاری جانی اور مالی نقصان ہو چکا ہے۔ مستقبل میں بھی سخت زلزلے آنے کا امکان ہے (کوئٹہ ماسٹر پلان۔ صفحہ 194) کوئٹہ شہر کا محل وقوع مثالی نہیں ہے، زلزلوں کا خطرہ ایک سیاہ بادل کی طرح اس وادی کے سر پر منڈلاتا رہتا ہے (کوئٹہ ماسٹر پلان۔ صفحہ 148)

مختلف ماہرین کی رپورٹوں پر انحصار کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا گیا تھا (جس کا ذکر فیصلے میں بھی کیا گیا ہے) کہ کوئٹہ شہر کی توسیع افقی سمت میں کی جائے اور اسے عمودی طور پر ترقی نہ دی جائے۔ کثیرالمنزلہ عمارتوں کی تعمیر مکمل تباہی اور پوری آبادی کے تہس نہس ہو جانے کا سبب بنے گی۔ بلڈرز کے ذاتی اور انفرادی فوائد لاکھوں شہریوں کی جانوں کے تحفظ کے بعد آنے چاہئیں۔

کوئٹہ بلڈنگ کوڈ' 31 مئی 1935ء کے زلزلے کے بعد مرتب کیا گیا تھا جس نے اس علاقے میں زبردست تباہی مچائی تھی اور جس میں تقریباً" 60 ہزار افراد لقمہ اجل بن گئے تھے۔ کوئٹہ کا 1935ء کا زلزلہ دنیا بھر میں ریکارڈ کئے جانے والے زلزلوں میں جانی نقصان کے اعتبار سے گیارہویں نمبر پر تھا۔ تاہم اتنا تباہ کن ہونے کے باوجود یہ اس خطے میں آنے والا واحد زلزلہ نہیں تھا۔

تاریخی طور پر اور 1905 سے ریکارڈ کئے جانے والے اعدادوشمار سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کوئٹہ سے 240 کلومیٹر کے قطر میں ہی تمام شدید نوعیت کے زلزلے آتے رہے ہیں۔ 1852ء اور 1935ء کے درمیان بلوچستان میں پندرہ زلزلے آئے جو اتنے شدید تھے کہ ان سے عمارتوں کو نقصان پہنچا۔ بعض تباہ کن زلزلوں کا تعلق معلوم شدہ سرگرم فالٹس سے تھا۔ (کوئٹہ ماسٹر پلان۔ صفحہ 10)

فیلڈ کے مشاہدات اور 1935ء کے زلزلے کے تعلق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں ایک سرگرم فالٹ موجود ہے جو بڑے زلزلوں کا سبب بن سکتی ہے جس سے کوئٹہ میں سنگین زلزلوں کا خطرہ موجود ہے (کوئٹہ ماسٹر پلان) صفحہ نمبر 10'11)

کوئٹہ بلڈنگ کوڈ 1935ء کے زلزلے کے بعد مرتب کیا گیا تھا جس کی شدت ریکٹر اسکیل پر 7.5 تھی۔ اس کوڈ کے نفاذ سے کوئٹہ کے شہریوں کی ضروریات قابل تعریف طور پر پوری ہو رہی تھیں کیونکہ کوئٹہ میں وقتاً" فوقتاً" آنے والے زلزلوں سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا' حالانکہ شدت کے اعتبار سے ان میں سے کوئی بھی زلزلہ 1935ء کے زلزلے کے ہم پلہ نہیں تھا۔

1935ء کے زلزلے کی نمایاں یاددہانی کے طور پر ٹھیک 60 سال کے بعد عین اسی دن یعنی 31 مئی 1995ء کو جس دن ہائیکورٹ میں اس مقدمے کی کچی پیشی تھی کوئٹہ میں پھر زلزلہ آیا۔ لیکن خوش قسمتی سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا کیونکہ اس کی شدت (Richter) ریکٹر اسکیل پر صرف 5.2 تھی۔

یہ درخواست دائر کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بلڈنگ کوڈ کے نفاذ کے محافظوں نے خود اس کی خلاف ورزی میں پہل کی اور بلڈنگ کوڈ کے نفاذ میں ناکام رہے۔

باقی صفحہ ۱۶ پر

وادی کوئٹہ اس خطے میں واقع ہے جو زلزلوں کے لحاظ سے سرگرم ہے' ماضی میں تباہ کن زلزلوں کے سبب بھاری جانی اور مالی نقصان ہو چکا ہے' مستقبل میں بھی شدید زلزلے آنے کا امکان ہے

شہری کے سیمینار میں (دائیں سے) جناب ضیاء الرحمٰن، پرویز نعیم، مہتاب اکبر راشدی، نوید حسین، نوید خان اور عین العابدین اور حاضرین

بجلی کی پیداوار اور ماحول پر اس کے اثرات

شہری سی بی ای کے زیر اہتمام ۳ اگست ۱۹۹۶ء کو منعقدہ سیمینار کی روداد

شہری نے حال ہی میں فریڈرک نومان فاؤنڈیشن کے تعاون سے ایک سیمینار منعقد کیا جس میں مشہور ماہرین نے بجلی کی پیداوار اور ماحول پر اس کے اثرات کے مسائل خصوصاً" کراچی شہر کے حوالے سے اس پر تفصیل سے بحث کی، یہ سیمینار گزشتہ سال منعقد ہونے والے ایک ایسے ہی سیمینار کا تسلسل تھا۔ مقررین میں جناب نوید حسین (ایگزیکٹو ممبر شہری برائے بہتر ماحول) مسز مہتاب اکبر راشدی (ڈائریکٹر جنرل ای پی اے سندھ) جناب عین العابدین (پرنسپل عین العابدین ایسوسی ایٹس) ڈاکٹر نوید خان (حب کو پاور کمپنی) ڈاکٹر پرویز نعیم (پروگرام ڈائریکٹر آئی یو سی این) اور پروفیسر ضیاء الرحمٰن (انسٹی ٹیوٹ آف انوائرمنٹل انجینئرنگ اینڈ ریسرچ، این ای ڈی انجینئرنگ یونیورسٹی) شامل تھے۔ سیمینار میں بڑی تعداد میں سامعین نے شرکت کی۔ سیمینار میں فریڈرک نومان فاؤنڈیشن کے کنٹری ریزیڈنٹ ڈاکٹر اینی کلاف نے بھی شرکت کی۔

نوید حسین نے اس بات پر زور دیا کہ شہریوں کی شراکتی تنظیم کی حیثیت سے "شہری" بجلی کی پیداوار بڑھانے کی حمایت کرتی ہے جس کی ترقی اور خوشحالی کے لئے ملک کو سخت ضرورت ہے تاہم انہوں نے اظہار افسوس کیا کہ ترسیلی نقصانات، چوریوں اور واپڈا اور کے ای ایس سی میں پیشہ ورانہ مہارت کے فقدان کے باعث بجلی کی شرحوں میں بے تحاشہ اضافہ کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کی خام اور ناکافی انرجی پالیسی کی وجہ سے بڑی تعداد میں نجی بجلی گھر وجود میں آ رہے ہیں اور حکومت نہ صرف ان بجلی گھروں کو ایندھن فراہم کرنے بلکہ ان سے بجلی خریدنے پر بھی مجبور ہے۔ جس کا نتیجہ سنگین مالی بحران کی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اس بات پر بھی افسوس کا اظہار کیا کہ مجوزہ بجلی گھروں میں سے 30 فیصد کراچی میں تعمیر کئے جائیں گے اور ان پر کوئی مناسب ماحولیاتی کنٹرول بھی نہیں ہوگا اور اس طرح وہ اس شہر میں آلودگی کی سطح کو اور بھی بڑھانے کا باعث بنیں گے جہاں پہلے ہی آبادی کی کثرت ہے۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ تمام متعلقہ شعبوں کے ماہرین پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی جائے جو ایک زیادہ مناسب، موزوں اور ماحول دوست توانائی پالیسی کی تشکیل میں مدد دے۔

مسز مہتاب اکبر راشدی نے سامعین کو بتایا کہ ای پی اے سندھ خاصے مالی اور فنی دباؤ کے تحت کام کر رہی ہے۔ آلودگی کی سطح کو پیمائش کرنے والے آلات، جن کی سخت ضرورت ہے کی فراہمی محدود ہے۔ تربیت یافتہ فنی عملہ بھی مطلوبہ سطح تک دستیاب نہیں ہے۔ تاہم مسز راشدی نے کہا کہ ای پی اے سندھ دستیاب وسائل کو بہترین انداز میں بروئے کار لا رہی ہے اور پاور پلانٹس کے مسئلے کو مناسب اہمیت دی جا رہی ہے۔

انجینئر عین العابدین نے کم کارکردگی

پاکستان میں بجلی کی پیداوار

نصب شدہ استعداد: 11,000 میگاواٹ

پیداواری استعداد: 10,500 میگاواٹ

	واپڈا	K.E.S.C / کینپ	حب کو	فیصد
آبی	4317	—	—	41.1
تھرمل	4007	1800	323	58.4
ایٹمی	—	50	—	00.5

میزان: 10,500 میگاواٹ

> مجوزہ بجلی گھروں میں سے 30 فیصد کراچی میں تعمیر کئے جائیں گے اور ان پر کوئی مناسب ماحولیاتی کنٹرول بھی نہیں ہوگا، اس طرح وہ شہر میں آلودگی کی سطح میں مزید اضافے کا باعث بنیں گے

اور زیادہ آلودگی پھیلانے والے پلانٹس اور ٹیکنالوجیز کے استعمال کو چیلنج کیا جن میں درآمد شدہ فرنیس آئل اور ڈیزل سائیکل سسٹم کو استعمال کیا جاتا ہے۔ ان کی رائے تھی کہ درآمد شدہ ٹیکنالوجی پر زیادہ انحصار کے باعث اب ہم مہنگے اور کم کارآمد مالی اور فنی پیکیج قبول کرنے پر مجبور ہیں۔ جس سے ہماری ملکی معیشت اور طبعی ماحول پر ناقابل برداشت بوجھ پڑے گا۔

جناب نوید خان نے پاکستان میں الیکٹرک پاور انڈسٹری/ٹیکنالوجی اور دستیاب ایندھن، فضائی آلودگی کے ماحولیاتی اثرات اور فضائی آلودگی کے خاتمے کے ممکنہ اقدامات کے بارے میں ایک معلوماتی جائزہ پیش کیا۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ چونکہ زیادہ سے زیادہ بجلی پیدا کرنا ملک کی اہم ترین ضرورت ہے، ملک کے پورے بجلی کے نظام کو زیادہ موثر اور کارآمد بنانا سب سے زیادہ ضروری ہے۔ انہوں نے کہا کہ جگہ کے انتخاب اور ایندھن میں تبدیلی کے سلسلے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر پرویز نعیم نے نجی شعبے کے بڑے بجلی کے منصوبوں مثلاً حب کو وغیرہ کی کارکردگی پر ماحول پر اثرات کے حوالے سے کڑی نکتہ چینی کی اور اس بات پر زور دیا کہ حکومت کی پرائیویٹ پاور پالیسی کو اور زیادہ شفاف بنایا جائے۔

تقاریر کے بعد سوالات و جوابات کا سیشن ہوا جس کے دوران بجلی گھروں کے سلسلے میں شہریوں کی انفرادی اور شہری تنظیموں کی ذمہ داریوں سے متعلق سوالات زیر بحث آئے۔

جن بجلی گھروں کو این او سی جاری کیے گئے

ای پی اے نے جائزہ لینے کے بعد مندرجہ ذیل کو این او سی جاری کر دیئے۔

- گل احمد پاور پلانٹ، ۱۲۵ میگاواٹ کورنگی میں جو فرنس آئل سے چلایا جائے گا۔
- لال انرجی، ۷۲ میگاواٹ فرنس آئل سے چلایا جائے گا۔
- لرانی اسٹار، ۱۱۰ میگاواٹ ملیر ہیرو روڈ فرنس آئل سے چلایا جائے گا۔
- لبرٹی پاور پروجیکٹ ۲۰۷ میگاواٹ، سیرو ماتھیلو ضلع گھوٹکی، قدرتی گیس سے چلایا جائے گا۔

ای پی اے سندھ کے زیر غور پاور پلانٹس کے منصوبے

- اینرزی پاور پروجیکٹ، ۲۰۷ میگاواٹ نارتھ کراچی، فرنس آئل سے چلے گا۔
- جاپا فار ایسٹ بارج ماؤنٹڈ پاور پلانٹ، ۱۳۵ میگاواٹ پورٹ قاسم
- ٹریکٹ ایبل خلیج پاور پلانٹ، ۳۳۵ میگاواٹ، پورٹ قاسم مائع پیٹرولیم گیس سے چلے گا۔
- صباح شپ یارڈ بارج ماؤنٹڈ پاور پلانٹ ۲۲۸ میگاواٹ، پورٹ قاسم، فرنس آئل سے چلے گا۔

بے شک شہری برائے بہتر ماحول بجلی کی پیداوار کے حق میں ہے لیکن اس قیمت پر نہیں کہ وہ ماحول اور مستقبل کی نسلوں کی صحت متاثر کرے کیونکہ یہ ناپائیدار ترقی کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ شدید گندھک کے پھیلاؤ سے انسانی صحت، زراعت اور جنگلات پر برا اثر پڑتا ہے

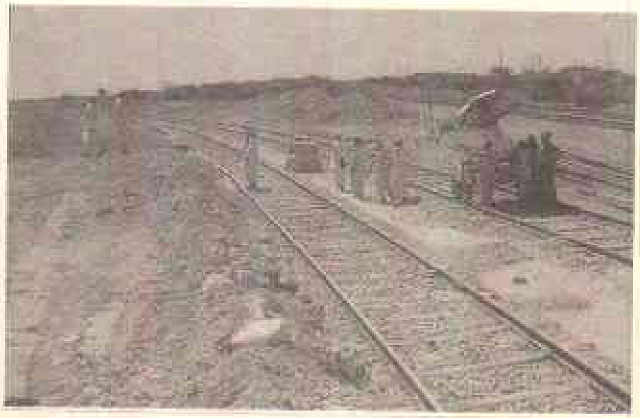

کراچی میں ایک بار پھر صفائی کی مہم زور و شور سے جاری ہے۔ کے ایم سی کا غائب عملہ حاضر ہو گیا ہے کوڑا کرکٹ اٹھایا جا رہا ہے لیکن کب تک!! یا کراچی کے شہری امید رکھیں کہ اب کی بار شہر واقعی ہمیشہ کے لئے صاف ہو جائے گا۔

صدیقہ خانم

فاطمی فاؤنڈیشن

جنوری 1995ء میں معرض وجود میں آنے والی تنظیم فاطمی فاؤنڈیشن بھٹڑی جس کی تشکیل میں مردوں کی حاکمیت اور خواتین میں ناخواندگی کی وجہ سے سنگی کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، تاہم تنظیم بننے کے بعد سنگی کی مسلسل کوششوں سے خواتین میں شعور بڑھنا شروع ہوا اور سنگی ان خواتین کے اندر کا خوف کم کرنے اور ان کی صلاحیت کو ابھارنے میں کافی حد تک کامیاب رہا۔ اس کا ثبوت 12 خواتین کا گاؤں کی سطح پر علاقے کے رسم و رواج کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے مردوں کی رضامندی سے چھوٹے پیمانے پر کاروبار شروع کرنا ہے۔ خواتین نے خود اپنے لئے ایسے کاروبار کا انتخاب کیا جو وہ ناخواندہ ہونے کے باوجود کرسکتی تھیں۔ ان کاموں میں ٹیلرنگ، لائیو اسٹاک اور پرچون کی دکان وغیرہ شامل ہے۔ یہ کاروبار شروع کرنے کے لئے ان خواتین نے سنگی کے کریڈٹ پروگرام سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے چھوٹے قرضے لئے۔ ان کو دیکھتے ہوئے گاؤں کی باقی خواتین کی حوصلہ افزائی ہوئی اور اس طرح گاؤں کی مزید خواتین بھی تنظیم میں شامل ہو رہی ہیں۔

اس طرح ایک طرف تو خواتین کاروبار کرتے ہوئے خاندان کی کفالت میں مردوں کا ہاتھ بٹا رہی ہیں تو دوسری طرف آڑے وقت کے لئے یومیہ ایک روپے کے حساب سے 30 روپے ماہوار بچت جمع کرتی ہیں جس سے گاؤں کی سطح پر ویلفیئر کے کام کئے جاتے ہیں۔ فاطمی فاؤنڈیشن نے سنگی سے درخواست کی کہ سنگی آمدنی کا کوئی ایسا پروگرام شروع کرے جس سے وہ بے سہارا خواتین جن کے مالی حالات بہت خراب ہیں یا وہ خواتین جو فی الحال تو سیونگ ممبران ہیں مگر شاید مستقبل میں سیونگ برقرار نہ رکھ سکیں، کے لئے روزگار کا وسیلہ بن سکے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے سنگی نے بھٹڑی گاؤں میں کرافٹ کا کام شروع کروایا جس میں ریشم کے لیڈیز کرتے، چادریں، اسکرٹ ٹرائی سیٹ، کرمشئے کی بیڈ شیٹ، ٹیبل کلاتھ، بلاؤز اور ململ کے دوپٹوں کے ساتھ کرمشئے کا کام کروایا گیا۔ ان خواتین کی بنائی ہوئی چیزوں کی سنگی مستقبل قریب میں ایک نمائش کرے گا۔ اس طرح سنگی نے ایک طرف دیہی خواتین کی صلاحیتوں کو ابھارا اور فروغ دیا تو دوسری طرف خواتین گھر بیٹھے فارغ وقت میں اضافی آمدن کرکے مردوں کے شانہ بشانہ اپنے خاندان کا معیار زندگی بہتر بنا رہی ہیں۔

اس کام کو پہلی دفعہ جب 1995ء میں بھٹڑی گاؤں میں متعارف کرایا گیا تو صرف تین خواتین ریشم کا کام جانتی تھیں جس میں ایک بڑی عمر کی خاتون اور دو چھوٹی لڑکیاں شامل تھیں۔ لیکن آج اسی گاؤں کی تقریباً 45 خواتین سنگی کے اس پروجیکٹ سے منسلک ہیں جس کے نتیجے میں بھٹڑی گاؤں کی صرف خواتین کی تنظیم کی سیونگ اس وقت 45 ہزار روپے کے لگ بھگ ہے اور بھٹڑی کی خواتین سنگی کو حقیقی معنوں میں اپنا ہمدرد، مددگار اور ساتھی (سنگی) سمجھتی ہیں۔

(بہ شکریہ : سنگی خبرنامہ)

قانونی امداد

قاضی فائز عیسیٰ، امبر علی بھائی، رولینڈ ڈی سوزا، وکٹوریہ ڈی سوزا،

خطیب احمد

غیر قانونی عمارتوں کے خلاف حکومت کی مہم کے سلسلے میں کمشنر ہاؤس کراچی میں ۲/ اگست ۱۹۹۶ء کو کمشنر کراچی مسٹر حفیظ الرحمان اور شہری کے ارکان کے ساتھ ہونے والی میٹنگ کی تفصیلات

شرکاء۔ مسٹر حفیظ الرحمان (کمشنر کراچی)، قاضی فائز عیسیٰ، امبر علی بھائی، خطیب احمد، رولینڈ ڈی سوزا (شہری)

کمشنر کراچی جناب حفیظ الرحمان نے کہا کہ تعمیراتی سرگرمیوں کے تمام شعبوں میں جواب دہی اور شفاف پن ہونا چاہئے۔ مسز علی بھائی نے کہا کہ شہری برائے بہتر ماحول نے کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کو لکھا ہے کہ موجودہ پیچیدہ صورت حال کا ذمہ دار اس کے قانونی ڈپارٹمنٹ کو کیوں نہ قرار دیا جائے، جس کے نتیجے میں حکومت کو غیر قانونی تعمیرات کے خلاف مہم چلانی پڑی اور صدر اور کلفٹن کے علاقے میں کارروائی کیوں نہیں کی گئی جہاں بڑے پیمانے پر خلاف ورزیاں کی گئی ہیں۔

مسز ڈی سوزا نے کہا کہ صورت حال بڑی پیچیدہ ہے، شاید سرکاری افسروں کی ایک بڑی تعداد قانون (بلڈنگ کنٹرول قواعد) کی باریکیوں سے آشنا نہیں ہے۔ شہری برائے بہتر ماحول گزشتہ سال سے کے بی سی اے کے کام کے طریقہ کار کی تحقیق کر رہی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ کوئی بھی ذمہ دار قبول کرنے کو تیار نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود ہر شخص ملوث اور متعلق بھی ہے۔

کمشنر کراچی نے کہا کہ شہری کو اس مسئلے کی پیچیدگی کا علم ہے اور حالات کو درست کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔

جناب خطیب احمد نے سول انتظامیہ کے سربراہ کمشنر کراچی سے درخواست کی کہ وہ کراچی پر حکمرانی میں شہریوں کا کردار کے موضوع پر ہونے والے سیمینار میں شرکت کریں۔

ایس ڈی پی آئی کے زیر اہتمام اسلام آباد میں دوسری سالانہ پائیدار ترقی کانفرنس کے موقع پر ڈاکٹر ریئے کلاف خطیب احمد اور دیگر شرکاء

پنیانگ... عالمی انجمنوں کا گڑھ

یہاں کی معاشرتی تحریکوں کی رنگارنگی میں ملائشیا کے اصل مزاج کی جھلک ملتی ہے، یہ گویا ایک چھوٹا سا اقوام متحدہ ہے

جزیرہ ملائشیا کے مغربی ساحلوں کے پاس اس مختصر جزیرہ کا سرگرم رضاکاروں کی بین الاقوامی انجمنوں کے ساتھ وہی تعلق ہے جو حصص کاروبار کرنے والی فرموں کا وال اسٹریٹ سے ہے۔

قدیم روایت، معیاری تعلیم کا ایک طویل تاریخی پس منظر اور بارانی جنگلات سے ڈھکے ہوئے افسانوی جزیرہ پنیانگ نے اپنے باسیوں کو ایک منفرد عالمی نقطہ نظر اور علمبرداری کا مادہ عطا کیا ہے۔

خیال ہے کہ پنیانگ میں دنیا کے کسی بھی شہر سے زیادہ فی کس عالمی علمبرداروں کی انجمنیں موجود ہیں۔ تیسری دنیا کا نیٹ ورک، پنیانگ کے خریداروں کی انجمن، دھرتی کی دوست، ملائشیا ماحولیاتی جماعت جسٹ (Just) عالمی ٹرسٹ، بچوں کی خوراک کے عالمی محرک کا نیٹ ورک، کیڑے مار ادویات سے متعلقہ تحریک کا نیٹ ورک اور "تیسری دنیا کا دوبارہ ابھرنا" اور "تیسری دنیا کی معیشت" جیسے رسالے۔ "تیسری دنیا کے نیٹ ورک" کے مارٹن کھور کا کہنا ہے "پنیانگ کے باشندے اپنے جزیرہ کے رہن سہن اور رویوں پر ہمیشہ سے ہی فخر محسوس کرتے رہے ہیں اور جب کبھی اس جزیرہ کے پرسکون ماحول کو خطرہ میں محسوس کیا تو وہ مقامی جدوجہد میں شامل ہوگئے۔ پھر انہوں نے محسوس کیا کہ اکثر مسائل کی جڑیں ملکی، علاقائی یا پھر عالمی نوعیت کی ہیں" کاغذوں اور فائلوں کے انبار میں دفن مارٹن کھور کو اپنے دفتر میں ہی تلاش کرنا مشکل ہوتا ہے۔ وہ تن تنہا ترقی پذیر ممالک کی آواز اقوام متحدہ، عالمی بینک اور دوسرے بین الاقوامی کانفرنسوں میں بلند کرنے کی کوشش کررہا ہے۔

جب سنگاپور کے لیڈر لی کوان یو نے کچھ منتخب تیز طرار نوجوانوں کو 1960ء کی دہائی کے آخر میں آکسفورڈ بھیجا، تاکہ ان کی تربیت اس طرح ہوسکے کہ وہ اس کے شہریوں کی خوش حالی میں رہنمائی کرسکیں، تو کھور بھی ان میں شامل تھا۔ وہ آکسفورڈ سے واپس آیا تو "سنگاپور کے محکمہ خزانہ" میں شامل ہوگیا مگر جلد ہی اس کی خوش فہمی دور ہوگئی۔

وہ ملائشیا کے ایک نئے فعال غیرحکومتی ادارے کیپ "پنیانگ کے خریداروں کی انجمن" سے متاثر ہوا جو کہ اس وقت چرواہوں کے حقوق کے لئے جدوجہد، سمندر کو آلودہ اور پنیانگ کے مچھیروں کے روزگار کو ختم کرنے والی مصنوعات کے خلاف جنگ اور ترقیاتی اداروں کے ہاتھوں پنیانگ کے پہاڑوں کے قدرتی جنگلات کو بچانے کی جدوجہد میں مصروف تھا۔ کیپ کا بانی محمد ادریس ہے، جو پنیانگ کے متحرک سماجی گروہوں میں ایک خاندان کے سربراہ کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ یہ ادریس ہی تھا جس نے کھور جیسے سرگرم نوجوانوں کو ادارہ میں شامل کیا، ان کی تربیت کی اور انہیں متحرک کیا۔

کیپ کی وکیل ضیا رحمان جو عوام کی مفاد کے مقدمات میں سرگرم ہے اور جسے 1986ء میں ملائشین حکومت نے ایک مختصر مدت کے لئے جیل بھجوا دیا تھا، کہتی ہیں "یہ انکل ادریس کی قوت عمل ہی تھی جس نے اردگرد دنیا میں ہونے والے واقعات کے بارے میں ہماری آنکھیں کھولیں۔ یہ ان کی بصیرت تھی جو ہمارے جیسے کئی لوگوں کے لئے پرکشش بنی"۔

باریش ادریس اپنی عمر کی ساٹھویں دہائی میں ایسا شخص ہے جو ہروقت بھارتی طرز کے کرتے میں ملبوس ہوتا ہے۔ وہ اپنے نوجوان ساتھیوں کو مقامی مسائل کی بین الاقوامی پیچیدگیوں کے بارے میں سوچنے پر اکساتا ہے۔ اس کے مشورہ کے مطابق محض علامات کا ہی نہیں بلکہ اصل مرض کا علاج کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ادریس کہتا ہے "ہم اپنے اپنے ممالک میں جتنا کچھ بھی کریں، مزید مسائل ابھر آتے ہیں" ہمیں ان مسائل کو پیدا کرنے والے عالمی عوامل کی شناخت اور ان کا سدباب کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

ادریس اپنے خاندانی جہاز رانی، تجارت اور زیورات کے کاروباری امور کی نگہداشت کرتا ہے اس نے کیپ کو یورپ کے عطیہ دینے والے اداروں کی امداد سے چلایا۔ کیپ کی سرگرم عمل کاری رنگ لائی ہے، اپنی کامیابیوں کے باوجود ادریس حد درجے کا قنوطی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ قنوطیت اسے چوکس اور غیرمطمئن رکھتی ہے۔ ادریس کے مخصوص نظریہ کے مطابق "یہ دنیا تباہ ہونے والی ہے اور ہم اپنے ہی کوڑا کرکٹ میں غرق ہونے والے ہیں" وہ کہتا ہے کہ "کرہ ارضی نظریہ" اور "ترقی کی اصطلاحات" حکومتوں سے بھی زیادہ طاقتور ہیں۔

ادریس کا ایک اور حمایتی انور فاضل ہے، جس نے امسال نوزائیدہ بچوں کے لئے دودھ کے فارمولے کے خلاف عالمی تحریک سے متعلق اولین کام کرنے پر "بین الاقوامی صحت" کا انعام جیتا، جو اسے پنیانگ میں "عالمی نوزائیدہ بچوں کی خوراک کی تحریک کا نیٹ ورک" اور ماؤں کا دودھ پلانے کی عالمی تحریک کا اتحاد قائم کرنے میں مدد دینے پر ملا۔

فاضل کو اس کی "خریداروں کی تحریک" کی وجہ سے "مشرق کا رالف نادر" کہا جاتا ہے۔ جبکہ عالمی خریداروں کی یونین کے ادارہ کے متعلق جس کا اس نے 1983ء کا ایوارڈ جیتا، فضل کا کہنا ہے کہ پنیانگ کی انفرادیت یہ ہے کہ سرگرم رضاکاروں کو چیزوں کو عالمی تناظر میں

باقی صفحہ ۱۹ پر

خالد حسین

سنڈی اور سفید مکھی کپاس کو تباہ کررہی ہے

چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑوں کے جھنڈ کے جھنڈ جن میں عام طور پر استعمال میں آنے والی جراثیم کش ادویات کا اثر قبول نہ کرنے کا رجحان سا پیدا ہوگیا ہے' ملک کو ایک دلدل میں پھنسا دیا ہے اور ملک کے اقتصادی نظام کے لئے ایک خطرہ بن کر رہ گئے ہیں۔

ماہرین کا خیال ہے کہ اس سلسلے میں سب سے بڑا عنصر ناقص اور غیر معیاری ٹیکنالوجی ہے جو ان ادویات کے استعمال میں بروئے کار لائی جاتی ہے۔ ورلڈ کنزرویشن یونین (پاکستان) (IUCN) کے ڈاکٹر پرویز نعیم، ملٹی نیشنلز اور پراونشل ایگریکلچر ایکسٹنشن ڈپارٹمنٹس کو اس بات کا موردِالزام ٹھہراتے ہیں کہ وہ کسانوں کو غیر ضروری جراثیم کش ادویات خریدنے اور استعمال کرنے کی غلط ترغیب دیتے ہیں۔ کسانوں کو "پہلی نظر میں ہی اسپرے کرنے کی تلقین کی جاتی ہے" اس کے بعد ملٹی نیشنلز کی مارکیٹ کی توسیعی مہمات کو تقویت پہنچانے کے لئے انہیں "شیڈول اسپرے" پر مجبور کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں جراثیم کش ادویات کے استعمال پر آج کل جو لاگت آتی ہے وہ ملک میں کاشت کی جانے والی کپاس کی کل قیمت کا تقریباً 26 فیصد ہے (گزشتہ چھ برسوں میں یہ لاگت 20 فیصد تھی)

جراثیم کش ادویات کا بے اثر ہو جانا' کپاس کی سونڈی یا پتوں کے وائرس یا کسی دوسری بیماری کے حملے سے زیادہ بڑی وبا ہے جس پر قابو پانا کافی مشکل ہے۔ جراثیم کش ادویات کا بے اثر ہونا' کئی مہلک نقصانات کا حامل ہوسکتا ہے۔

"اس کا مطلب کسی بھی سال کپاس کی فصل کی مکمل ناکامی ہوسکتا ہے۔ یہ بحران ٹیکسٹائل انڈسٹری کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔ جس سے اسٹاک مارکیٹیں ٹھپ ہو کر رہ سکتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ بینک بھی دیوالئے کا شکار ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ ملک بھر کے بینک' اسٹاک مارکیٹوں کے پیسے پر ہی چلتے ہیں۔ ملک غیر ملکی قرضہ جات کی ادائیگیاں کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔ قصہ مختصر یہ کہ ہم دیوالئے اور بھوکے ہو کر رہ جائیں گے۔

خاتمے کا آغاز

کیڑے مار ادویات کا بے اثر ہوجانا ایک عالمی مظہر ہے۔ زراعت کے ماہرین اس عمل کو عام طور پر "کیڑے مار ادویات کو کچلنے والی چکی" کا نام دیتے ہیں۔ بعض حشرات الارض اپنے اجسام میں ایسے کیمیائی عمل سموئے ہوئے ہیں جو انہیں تولیدی تبدیلی برپا کرنے کی صلاحیت بخشتے ہیں۔ وہ بعض ایسے اجزاء تخلیق کرلیتے ہیں جو ان کے اجسام میں داخل ہونے والی ادویات پر حملہ آور ہو کر انہیں بے اثر بنا دیتے ہیں۔ "انہیں ہلاک کرنے کے لئے ہمیں ان ادویات کی بتدریج زیادہ خوراک اور مقدار کی ضرورت ہے"۔

1980ء کے اوائل میں پاکستان میں کپاس پر حملہ آور ہونے والے ایک خاص کیڑے پر قابو پانے کے لئے وسیع رینج رکھنے والی ادویات کو استعمال میں لایا گیا اس کیڑے کی تعداد میں تو کمی واقعی ہوگئی لیکن 1980ء کے وسط میں کپاس کو نقصان پہنچانے والی ایک سنڈی کی آبادی

میں اس حد تک اضافہ ہوگیا کہ اسے کپاس کی فصل کے لئے ایک بڑا خطرہ تصور کیا جانے لگا۔ اس سنڈی کو تلف کرنے کے لئے ابتدائی موسمی اسپرے میں اضافہ کردیا گیا اور زیادہ طاقتور ادویات کا استعمال عمل میں لایا گیا۔ اس سے ان کو تلف کرنے میں کوئی خاص کامیابی تو حاصل نہ ہوسکی لیکن کپاس پر حملہ آور ہونے والی سفید مکھی کے قدرتی حریف جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ سفید مکھی کے خون پر پلنے پر بھڑ نما ایک مختصر سا کیڑا۔ 92-1991ء تک سفید مکھی کپاس کی فصل کے لئے سب سے بڑا خطرہ بن کر سامنے آئی۔

موت کے کارخانے

دنیا بھر میں کیڑے مار ادویات کے بے اثر ہو جانے کے ایسے واقعات منظر عام پر آئے جنہوں نے موت کی صنعت کو بند ہونے پر مجبور کردیا۔ مثال کے طور پر سوڈان میں جہاں 1975ء سے 1981ء کے درمیان کپاس پر سفید مکھی کے حملے کی وجہ سے پیداوار میں 40 فیصد کمی واقعی ہوگئی اور کیڑے مار ادویات کی قیمتوں میں 600 فیصد اضافہ ہوگیا۔ کیڑے مار ادویات کا بے اثر ہونا اتنا ہی خطرناک ہے جتنا